(10)

बुक-पोस्ट प्रकाशित सामग्री

गुरुकुल पत्रिका । प्रहलाद । आर्य भट्ट

रजि० संख्या एल० १२७७

सेवा में,

____

____

____

व्यवसाय प्रबन्धक
गुरुकुल काँगड़ी विश्वविद्यालय
हरिद्वार

(۷) ساقی وہ مے پلاتا ہے تُرشی کو مار ہے — واہ کیا مزے سے کھانیکہ غم کا شکار ہے
دلدارِ خوش ادا تو سدا ہمکنار ہے — درشن شرابِ ناب سخن ورل کے پار ہیں
آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

(۸) باہر نگاہ کیجئے تو گلزار ہے کھلا — اندر سرُور کی تو بھلا حد کہاں دلا
کالج قدیم کا یہ سرمُو نہیں ہلا — پڑھاتا معرفت کا سبق میرا یار ہے
آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

(۹) اے جاں بیا بیا کہ ایں دُنیائے دیگر است — آبے دگر ہوائے دگر جائے دیگر است
خُوباں خویش دُور و در جہل افگنند — خوب است و جہل دُور کنند جائے دیگر است
سادھو فقیر کا تو اسی پر مدار ہے
آ - دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

(۱۰) مستی مدام کار یہی روزگار ہے — گُل ہیں نگاہ پڑتے ہی پھر کس کا خار ہے
کیوں غم سے تُو نزار ہے کیوں دلفگار ہے — جب رام قلب میں ترے خود یارِ غار ہے
آ - دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

نوٹ - مفصلہ ذیل نظم مندر گنگوتری میں لکھی گئی -

آرسی

غزل (۲۶)

دُلہن کو جاں سے بڑھ کے یہ بھاتی ہے آرسی — مُکھ صاف چاند کا سا دکھاتی ہے آرسی

ہستی سُرور علم کا مظہر تو خوب ہے — ہاں اس سے آب رُو کو بچاتی ہے آرسی
ہمکو بڑی بلا ہے یہ لگتی ہے اس لیئے — واحد کو قیدِ دُوئی میں لاتی ہے آرسی
ازبس غنی ہے حُسن میں وہ اپنے ماہرُو — حیرت ہے اُسکے سامنے آتی ہے آرسی
خوبی ہے رُوئے خوب میں شیشے میں کچھ نہیں — ہاتھوں میں رُونمائی کو جاتی ہے آرسی
ظاہر میں بھولی بھالی سی حیران شکل دے — کیا جھوٹ کو یہ راست بتاتی ہے آرسی
گہنوں میں ٹکڑا آئینہ کا ہے حقیر تر — رُتبہ وے صفائی سے پاتی ہے آرسی
دیکھوں میں یا نہ دیکھوں ہو آفتاب رُو — تاہم ہمارے دل کو لبھاتی ہے آرسی
گنگا سپہر و ابر سہی مہر و ماہ سہی — مکھڑے کا اپنے درس کراتی ہے آرسی
ہے شوق دید چہرۂ تاباں کا رام کو — یکسُو ولی ہر آن بناتی ہے آرسی

تصویر یار

غزل (۲۷)

اِس لیئے تصویر جاناں ہمنے کھچوائی نہیں (ٹیک)

بات تھی جو اصل میں وہ نقل میں پائی نہیں — اسلیئے تصویر جاناں...
پہلے تو یاں جان کی تن سے شناسائی نہیں — اسلیئے تصویر جاناں...

نوٹ یہ غزل سوامی جی کی نوٹ بک میں ایسی ہی ملی ہے۔ اگرچہ اس کا سلسلہ ہندی رام برشا کی غزل کے سلسلے سے ذرا مختلف ہے تاہم سطور وہی ہیں اور مطلب میں فرق نہیں (مؤلف)

تن سے جاں جب ہلگئی تو اُسمیں وہ توانائی نہیں
اسلیئے تصویرِ جاناں ....

ایک سے جب دو ہوئے تب لُطف یکتائی نہیں
اسلیئے تصویرِ جاناں ...

مَیں ہُوں مشتاقِ سخن اور اُسمیں گویائی نہیں
اسلیئے تصویرِ جاناں ...

پانوں لنگڑا۔ ہاتھ لُنجا۔ آنکھ بینائی نہیں
اسلیئے تصویرِ جاناں ....

یارِ کا خاکہ اُڑانا۔ یہ بھی دانائی نہیں
اسلیئے تصویرِ جاناں ....

کاغذی یہ پیرہن ہے دل کو یہ بھائی نہیں
اسلیئے تصویرِ جاناں ....

دِل میں ڈر ہے کہ مُصوّر ہی نہ بن جائے رقیب
اسلیئے تصویرِ جاناں ....

دام مانگے تھا مُصوّر پاس یک پائی نہیں
اسلیئے تصویرِ جاناں ....

غزل (۲۸)

مالکِ ہر دو جہاں مَیں ہی تو ہوں، مَیں ہی تو ہُوں
ظاہر و باطن سبھی مَیں ہی تو ہوں، مَیں ہی تو ہوں
لذّاتِ دُنیا کی مجھکو کچھ نہیں ہے آرزو
دونوں جہاں کی نعمتیں مَیں ہی تو ہُوں مَیں ہی تو ہُوں
حِقِ دُنیا کا مجھ میں خواب تھا مثلِ خیال
بیدار ہو دیکھا ذرا۔ مَیں ہی تو ہُوں مَیں ہی تو ہوں
محجوب اسم و جسم میں تھا ہستی و علم و سُرور
پردہ جہل اُٹھ گیا۔ مَیں ہی تو ہوں میں ہی تو ہوں

کچھ نہیں مُجھ سے سوا اے دُنیا - خُدا - رُوحیں تمام

ہر جُز و کُل کی اصلیت مَیں ہی تو ہُوں مَیں ہی تو ہُوں

چشمۂ اُلفت مجھے حاصل ہُوا لا انتہا

مُجھ سے جدا ہرگز نہیں مَیں ہی تو ہُوں مَیں ہی تو ہُوں

اُڑ گئی جڑ سے دُوئی رُخصت ہُوئی وحدانیت

معدوم ہے دانش جہاں مَیں ہی تو ہُوں مَیں ہی تو ہُوں

عالم دُنیا میں ہر سُو تاباں ہے میرا ہی نُور

مہر و ماہ میں روشنی مَیں ہی تو ہُوں مَیں ہی تو ہُوں

(نوٹ) یہ غزل رام برشا حصہ اوّل کے چھپنے کے بعد ملی تھی - اسلئے بجائے اپنی جگہ پر درج کئے جانے کے یہاں دی گئی ہے - (مؤلف)

مایا

(۱) شام

گنگا کی ٹھنڈی چھاتی سے آتی ہے خوش ہوا
ہے بھینی بھینی باغ کا سانس اس میں رل رہا
گنگا کے روم روم میں رچنے لگا وہ بحر
آیا جوار زور کا لہروں پہ لیکے لہر
دیکھو تو کیسے شوق سے آتے جہاز ہیں
مارے خوشی کے سیٹی بجاتے جہاز ہیں
شادی زمیں کی ایلو! فلک سے ہوئی ہوئی
وہ سائباں قنات ہے جب ہی تنی ہوئی
دولھا کے سر پہ تاروں کا سہرا کھلا کھلا
دلہن کے برق دل نے چراغاں کھلا دیا

(۲) مقام (ایڈن گارڈن - کلکتہ)

ہے کیا سہانا باغ میں میدانِ دلکشا
اور حاشیہ ہے بنچوں کا سبزہ پہ وا

مجمع ہجوم لوگوں کا بھر کر لگا ہے یہ	میدان آدمی سے لبالب بھرا ہے یہ
بنچوں پہ بعض بیٹھے ہیں اکثر ہیں خوش کھڑے	بانکے جوان باغ میں ہیں ٹہلتے پڑے
میداں کے پار سڑک پہ ہے بگھیوں کی بھیڑ	گھوڑوں کی سرکشی ہے لگاموں کی ڈپے پیٹر
شوقین کلکتہ کے ہیں موجود سب یہاں	ہر رنگ ڈھنگ وضع کے ملتے ہیں اب یہاں

(۳) کام

ہم سب کو دیکھتے ہیں یہ دیکھئے کہاں؟	آنکھیں تنی ہوئی ہیں یہ کیا پیر کیا جواں
مرکز ہے سب نگاہوں کا اُجلا چبوترا	خوش بینڈ باجا گوروں کا جسمیں ہے بج رہا
گاتے پھُلا پھُلا کے ہیں وہ گالیں گوریاں	کیا روشنی میں سُرخ دمکتی ہیں کرتیاں
اے لوگوں کو تمکو کیا ہے جو ہلتے ذرا نہیں	کیا تم نے لال کرتی کو دیکھا کبھی نہیں

(۴) پردہ

اسرار اس میں کیا ہے کرو غور تو سہی	اِس ٹکٹکی میں کیا ہے کرو غور تو سہی
گوروں کی کرتیوں کو ہیں گو تک رہے نظر	لیکن نظر سے کُرتیاں گو ہے تو سب ہیں دور
لہرا رہا ہے پردہ سا سب کی نگاہ پر	اِس پردے سے پروئی ہے ہر ایک کی نظر
یہ پردہ تن رہا ہے عجب ٹھاٹھ باٹھ کا	جس میں زمین زمان و مکاں ہے سما رہا
پردہ بلا ہے چھید کہ سیون کہیں نہیں	لیکن موٹائی پُوچھو تو اصلاً نہیں نہیں
پردہ ستم ہے سحر کے نقش و نگار ہیں	ہر آنکھ کے لئے یاں علٰحدہ ہی کار ہیں
سب سامعین کے سامنے پردہ ہے یہ پڑا	ہر ایک کی نگاہ میں نقشہ بنا دیا

پردوں سے راگ کے ہی یہ پردہ عجب پڑا — گنبد پہ شہر کا ہے کہ معراج کا فرا
جادو ہی پیانوٹرم[۱] ہی پردہ شراب ہے — کیا سچ ہی رنگ ڈھنگ یہ سب نقش آب ہے
رنگ[۲] تو یار پردہ ہیں، دیکھیں تو کیفیت — آنکھیں سلی ہیں پردے سے کیوں؟ کیا ہی ماہیت؟
دیدوں میں اور رنگوں میں کیا ہی مناسبت؟

(۵) بیاہ

وہ نوجواں کے روبرو نوری لباس میں — دلہن کھلی ہی پھول سی پھولوں کی باس میں
شادی کے راگ رنگ میں باجہ بدل گیا — ایلو ابرات بیٹھی ہے جلسہ بدل گیا
دلہن کا رنگ ہو بہو گویا گلاب ہے — اور چشم نیم مست سے جھڑتا شراب ہے

کیوں دائیں سے اور بائیں سے مڑ جائیں نہ آنکھیں
جب رنگ ہی ایسا ہو تو جڑ جائیں نہ آنکھیں

(۶) یونیورسٹی کانووکیشن

عینک لگائے لڑکے کو وہ اس ہی پردہ پر — ہرکارہ دوڑتا ہوا لایا ہے کیا خبر

۱ پیانوٹرم - باجہ کا نام ہے۔
۲ پردہ کے رنگوں میں۔

سنتے ہی تار ہاتھ میں لڑکا اُچھل پڑا
"بی اے کے امتحان میں پڑھ کر رہا ہوں میں
ہے چانسلر سے جلسہ میں انعام پا رہا
میں پاس ہو گیا ہوں۔ تو میں پاس ہو گیا!
انگلش میں اور حساب میں اوّل رہا ہوں میں"
اور فیلو صاحبان سے ہے اکرام پا رہا

کیوں دائیں سے اور بائیں سے مُڑ جائیں نہ آنکھیں
جب رنگ ہی ایسا ہو تو جُڑ جائیں نہ آنکھیں

(۷) بچّہ پیدا ہُوا

وہ دیکھنا کسی کے لئے اِس ہی پردہ پر
منگل ہے شادیانہ ہے خوشیاں منا رہا
ننھا ہے گول مول کہ اک کنول پھول ہے
اب تو بہو کی چاندی ہے۔ گھر گھر میں بن گئی
پوری ہوئی ہے آرزو پیدا ہُوا پسر
دروازے پر ہے بھاٹ کھڑا گیت گا رہا
نازک ہے لال لال اچنبھا اصول ہے
ساس بھی جو روٹھی تھی تو آج من گئی

کیوں دائیں سے اور بائیں سے مُڑ جائیں نہ آنکھیں
جب رنگ ہی ایسا ہو تو جُڑ جائیں نہ آنکھیں

(۸) نیشنل کانگرس

وہ دیکھنا کسی کے لئے اِس ہی پردہ پر
لیکچر وہ دے رہا ہے دھواں دھار سحر کار
منڈپ ہے کانگرس کا غضب دھوم کر و فر
جو چیر شک و شبہ کو ہے جاتا جگر کے پار

یک دو ک سکوت میں ہیں ہوئے حاضریں تمام
وہ تالیوں کی گونج میں یک دل ہوئے تمام
گو ان ! ان !! گہتے ہیں سب اہل زندگی

ہر دیدہ شعلہ بار ہے ! بجلی ہے خاص و عام
وہ موتیوں سے آنکھ کا چھلکے پڑا ہے جام
ہندی سے خوں سے لکھیں گے تاریخ ہند کی

کیوں دائیں سے اور بائیں سے مڑ جائیں نہ آنکھیں
جب رنگ ہی ایسا ہو تو جڑ جائیں نہ آنکھیں

اس پردہ پر ہے ٹھیکہ میں اک لاکھ کی بچت
اس پردہ پر ہے رنگھ جواں خوب لڑ رہا
اس پردے پر جہاز ہیں آتے خوشی خوشی
اس پردے پر ترقی ہے رتبہ بڑا بڑھا
اس پردے پر ہیں سیر و تماشے جہان کے
بچھڑے ہوئے ملے ہیں

اس پردہ پر ہے سیٹھ کو دو لاکھ کی بچت
تنہا ہے ایک فوج سے کیا ڈٹ کے اڑ رہا
مقصد مراد دل کی ہیں لاتے خوشی خوشی
یکدم ہے میرے یار کا درجہ چڑھا چڑھا
اس پردے پر ہیں نقشے بہشت و جنان کے
مردے بھی اٹھ کھڑے ہیں

کیوں دائیں سے اور بائیں سے مڑ جائیں نہ آنکھیں
جب رنگ ہوں و نخواہ تو جڑ جائیں نہ آنکھیں

(۹) سلطنت حقیقی ابھدوت

وہ ! کیا ہی پیارا نقشہ ہے ! آنکھوں کا پھل رلا !
اس سوہنے نوجوان کا جینا پھل ہوا

محل اُس کا جس کی چھت پہ ہیں ہیرے جڑے ہوئے
قوسِ قزح و ابر کے پردے تنے ہوئے
مسند بلند تخت ہے پربت ہرا بھرا
اور شجرِ دیو دار کا ہے چنور جھُولتا
نغمے سُریلے "اوم" کے ہیں اُس سے آرہے
ندیاں پرندے باوہیں وُہ! سُر ملار ہے
بیہوش و حس ہے گرچہ پڑا کھال کی طرح
دُنیا ہے اُس کے پیر کو فُٹ بال کی طرح
کیسی یہ سلطنت ہے عدو کا نشاں نہیں!
جس جا نہ راج میرا ہوا ایسا مکاں نہیں
کیوں دائیں سے اور بائیں سے مڑ جائیں نہ آنکھیں
جب رنگ ہُوں ولخواہ تو جڑ جائیں نہ آنکھیں

(۱۰) مایا

پھیلا ہے کیا رنگ رنگ ہیں	اور کیا ہی پھر پھڑاتا ہی ہر آب و سنگ میں
اِس پردے پر ہیں جھیل جزیرے خلیج و بحر	اِس پردے پر ہیں کوہ و بیابان و یار و شہر
سب پیر سب جوان اسی پردے پر تو ہیں	باشندے اور مکان اسی پردے پر تو ہیں

پیغمبر اور کتاب اسی پردہ پرتو ہیں
پیل اسپ اور غلام اسی پردہ پرتو ہیں
سب خاک و آسمان اسی پردہ پرتو ہیں
شاہوں کے شاہنشاہ اسی پردہ پرتو ہیں

کیا جھلملاتا پردہ ہے یہ عنکبوت کا
دیتے ہے خیال (ڈگلا ہوا) کام سوت کا

(۱۱) نقوش و نگار اور پردہ ایک ہیں ※

یہ دو نہیں ہیں - ایک ہیں - پردہ کہو کہ نقش
نقش و نگار پردہ ہیں - پردہ ہی تو ہے نقش
یہ استعارہ تھا کہ وہ "مایا کے روپ" ہیں
"مایا کہو" کہ یوں کہو یہ "نام روپ" ہیں
"اسم و شکل" ہی "مایا" ہیں "مایا" ہے اسم و شکل
ہم معنی "مایا" کے ہیں یہ سب رنگ روپ و شکل

※. نوٹ انگلینڈ ہر باشندے سے اُمید رکھتی ہے کہ وہ اپنا فرض (ڈیوٹی) پورا پورا ادا کرے، اس قسم کے فقرات ظاہراً انگلینڈ کو باشندگان سے جدا جتلاتے ہیں لیکن فی الواقعہ انگلینڈ کوئی علیحدہ ہستی نہیں ہے جو کہ باشندگانِ انگلستان حکمرانی کر رہی ہو، باشندگان انگلینڈ ہی بہ ہیئتِ مجموعی انگلینڈ سے نامزد ہیں نقطوں کا مجموعہ ہی بہ ہیئتِ کُلّی خط کہلاتا ہے خطوں ہی کا حاصل بہ ہیئتِ مجموعی سطح نام پاتا ہے، سطحوں کا تہ برتہ ہجوم ہی جسم کہا جاتا ہے ※

(۱۲) فلسفہ

پردہ کھڑا ہے مایا کا یہ کس مقام پر؟ ہے یہ سرو۵۳ پر کہ حواس عوام پر؟
ہے بھی کہیں کہ مبنی۵۱ ہے یہ وہم خام پر کیا سچ ہے - ایستادہ۵۲ ہی یہ میرے رام پر؟

(۱۳) محلِ پردہ

درشٹانت

ہے اِس طرف تو شور سرود و سماع کا اور اُس طرف ہے زور شُنیدن کی چاہ کا
اِن دونوں طاقتوں کا وہ ٹکرانا دیکھئے پُرزور شور لہروں کا چکرانا دیکھئے!
لہریں ملیں مٹیں - الہوا پیدا ہوئے حباب یہ بُلبلے ہی بُرقع ہیں پردہ بہ رُوئے آب

۵۱ سہارا لیئے ہوئے - ۵۲ کھڑا یعنی سہارا لیئے ہوئے ہے - ۵۳ سب سے اُوپر

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) اسی طرح سامعین کے تصوّرات کا ہجوم ہی یہاں پردہ کہا گیا ہے اور انسانوں کے اوہام جزوی (اودیا) ہی مِلکر بہ ہیئتِ کُلّی (سمشٹھی) مایا کہلاتے ہیں - مایا آپ کے اوہام وخیال سے علیحدہ کوئی طاقت نہیں :-

یہ تصوّرات کا پردہ سامعین اور بینڈ باجہ کے بیچ میں حایل ہو رہا ہے - نیز سامعین اور بینڈ باجہ کے بدولت قائم ہے لیکن جو لوگ علمِ موسیقی میں ماہر ہیں - وہ اِس پردے کے پار دیکھتے ہیں - وہ راگ کے اُکسائے ہُوئے خیال میں غلطاں نہیں رہتے - بلکہ خود راگ کو سمجھتے اور اس کا حظ اٹھاتے ہیں - اِسی طرح عام لوگ تو مایا (یعنی رنگ روپ نام شکل) میں اُلجھے رہتے ہیں لیکن گیان وان (اہلِ حقیقت) اسماء اشکال کے گورکھ دھندے کو کاٹ وہم و فرض کے پار، سرورِ مطلق ذاتِ باری کا دیدار کرتا ہے

موجوں ہی کا مقابلہ پردہ کا ہے محل،	موجیں ہیں آب کہتے نہیں کیوں محل ہے جل؟
ہاں! یہ تو راست ہے کہ سرود او سامعین	دونو ملے بٹے ہیں وہ جل رُوپ رام میں
اور رام ہی ہیں پردہ ہے نقش و نگار ہیں	یہ سب اُسی کی لہروں کے موجوں کے کار ہیں

(۱۴) احساسِ عام

دوارشٹانٹ

محسوس کرنے والی اِدھر سے یہ آئی لہر
محسوس ہونے والی اُدھر سے وہ آئی لہر
دونو کے عقد شادی سے پیدا ہوئے حباب
یعنی نمود "شئے" ہوئی پانی میں جھٹ شتاب[۵۱]
لہریں بھی اور بُلبُلے سب ایک آب ہیں
اِن سب میں رام[۵۲] آپ ہی رمتے جناب ہیں
مایا تمام اِس کی ہے ہر فعل و قول میں
مفعول فعل فاعل و ہر ڈِیل ڈول میں ؛
آبشاروں اور فوّاروں کی پُھہاروں کی بہار
چشمہ ساروں سبزہ زاروں گلعِذاروں کی بہار
بحر و دریا کے جھکولے اور صبا کا خوش خرام

۵۱ بحرِ حقیقت - ۵۲ جل رُوپ -

مجھ میں منصور ہیں یہ سب "اوم" ہیں جیسے کلام
پسر کر لیتا ہوں جگ میں صبح میں اور شام میں
چاندنی میں روشنی میں کرشن میں اور رام میں

(۱۵) رام مُبرّا

یہ تو سب راست ہے و لے از رُوئے ذات بھی
دیکھو تو پردا نقش وغیرہ نہ تھے کبھی
ہے موج ہی میں ردّ و بدل جس کے باوجود
قائم ہے جُوں کا تُوں سدا ایک آب کا وجود
از اعتبارِ ذات یہ کہنا پڑا ہے آب
پیدا ہی کب ہوئے تھے یہ امواج اور حباب
از رُوئے رام پوچھو تو پھر وہ نگار و نقش
مایا وغیرہ کا کہیں نام و نشان و نقش
حرکت سکون اور تغیر کا کام کیا
نطق و زباں کو دخل صفاتوں کا نام کیا
اقبال کہاں ادبار کہاں یاں ہستی کمی کو بار کہاں ؟
یاں پُن کہاں اور پاپ کہاں اور مجھ میں جیت و ہار کہاں

محمود

ایک دانہ حقیر چھوٹا سا
بیج بونے کو دانہ لاتے ہیں
یہ بھی خشخاش ہی کا دانہ ہے
ہو بہو ہے وُہی تو اِسمیں بھی
بیج بتائیں ہے یہ وُہی دانہ
خُوب دیکھو بچار کرکے آپ
غور سے دیکھئے حقیقت کو
اصل دانہ نظر نہ آتا ہے

میرے پیارے اُتو ذاتِ واحد ہی
(۲) جان نتھی کو جب کہ سائنس دار
جسم گو ہو گیا ہو دو ٹکڑے
پیشتر کاٹنے کے ایک ہی تھا
دونو ویسا ہی زور رکھتے ہیں
دو کو کاٹیں تو چار بنتے ہیں
کیا دکھاتی ہے کھولکر یہ بات
گو منو کا سر پر چھوٹ گیا
ہر رشی کی نسل میں ہے وہ ہی

اپنی طاقت میں کیا بلا نکلا
اُسکی طاقت بھی آزماتے ہیں
یہ بھی طاقت میں کیا یگانہ ہے
شکتی آدم کے بیج میں جو تھی
نہ یہ پھیلا ہُوا نہ دو گا نہ
ماہیت بیج کو قلیل سا ناپ
نظر آتا ہے بیج کیا تمکو؟
نہ وہ گھٹتا ہے بڑھ نہ جاتا ہے

تیری قُدرت اگرچہ بے عد ہے
امتحاں کو ہے کاٹتا یکساں
لیک مرتے نہیں وہ یُوں کیڑے
جب دِیا کاٹ دو ہُوئے پیدا
جیسے وہ کیڑ جس سے کاٹے ہیں
چار سے آٹھ بن نکلتے ہیں
کاٹنے میں نہیں ہے آتی ذات
پر کرو ڑوں ہندو ہیں پیدا
شکتی آدمی منو میں جو نب تھی

ہاں اگر کچھ کسر ہے ظاہر میں — ڈرّے بکتا پڑا ہے کیچڑ میں
جھٹ نکالو یہ ہیرا صاف کرو — ضد نہ کیجئے گا۔ بس معاف کرو
ایک شیشے میں ایک ہی رُو تھا — شیشہ ٹوٹا عدد بڑھا رُو ء کا (۴)
مختلف ہو گئے بہت ابدان — انہیں ظاہر ہے ایک ہی انسان
زید ہو بکر ہو عمرو ہی ہو — مظہر آدمی ہے کوئی ہو
گو ہیں نکرے کا معرفوں میں ظہور — نام رُوپوں میں ہے یہی معمور
پر یہ نکرہ بذاتِ خود کیا ہے — اصلی جسموں کا دخل بیجا ہے
اسم فرضی۔ شکل بدلتی ہے — پر جو تو ہے سوا ایک سا ہی ہے
تو ہی آدم بنا تھا تو حوّا — تو ہی ہے لاٹ صاحب تو سوّا
تو ہی ہے رام تو ہی تھا راون — تو ہی تھا وہ گڈریا برندابن
جھوٹ تم کو صنم نہ دیا ہے — تو ہی بھولا ہے چھوڑ دے ہے ہے
پیمبر کا وہ چاند سا مکھڑا — تیرا مظہر ہے نور کا ٹکڑا
دل جگر سب کا ہاتھ میں ہے ترے — نورِ مو نور ساتھ میں ہے ترے
ماہ و خورشید برق و انجم و نار — جان کرتے ہیں رام پر ہی نثار

(۱۸) دُنیا کی حقیقت

دُنیا میں یہ کس طرح ہوئے موجود — اک نگہ پر ہے سب کی ہستی و بود

(۴) ستھول شریر

خواب گذرا تو جاگرت آئی — ندّی میدان میں اُتر آئی
جو ہیں سوکشم نے قدم پاس کہا — گدلا خاکی کثیف جسم لیا
یا کہو یوں کہ جسم نازک[51] نے — موٹے موٹے کے کپڑے پہنے
شب کو شیریں بدن جو سوتا ہے — جامہ تن سے اُتار دیتا ہے
جب زمستاں کی رات آتی ہے — ننگا دریا کو کر سُلاتی ہے
دریا کا کر گے مشاہدہ دیکھا — خرقہ ہر سال میں نیا ہی تھا
ٹھیک اِس طور پہ ہی جسم لطیف — بدلتا پیرہن[2] ہے جسمِ کثیف
یوں تو ہر شب لباس[52] ظاہر کو — دُور کرتا ہے بدن دربر[2] کو
اِلاّ پھر صبح پہن لیتا ہے — ستھول دیہ میں پھر آن رہتا ہے

(۵) آواگون

لیک مرنے سمے یہ جسمِ لطیف — بدلتا مطلقاً ہے جسمِ کثیف
جب پُرانی یہ ہو گئی پوشاک — دے اُتاری - یہ پھینک دی پوشاک
کینچلی چولا کو اُتار دیا — اور ہی جسم پھر تو دھار لیا
اِس کو کہتے ہیں ہندو آواگون — بدلنا جسم کا ہے آواگون

۵۱ سوکشم شریر ۵۲ ستھول شریر

(۶) آتما

مہر جو برف پر درخشاں تھا
صاف نالوں پہ نور افشاں تھا

وہی ستھول رودِ میداں پر
جلوہ افگن تھا آبِ حیراں پر

ایک دریا کے تین موقعوں پر
مہر ہے ایک حاضر و ناظر

بلکہ دُنیا کے جتنے دریا ہیں
تختِ پر تو سبھوں کے سب جا ہیں

آتما ایک تین جسموں پر
جلوہ افگن ہے حاضر و ناظر

ساری دُنیا کے تین جسموں پر
ایک آتم ہے باطن و ظاہر

آنا جانا نہیں ہے آتم میں
یہ تو مفروض سب ہُوئے تن میں

آتما میں کہاں کی آواگون
آئے کس جا اور جائے کون

(۷) تین برن

اصل کو اپنے بھُول کر انساں
بھُولا بھٹکا پھرے ہے ہو حیراں

مرتا خرگوش جب کہ جاتا ہے
جھاڑی جھاڑی میں سر چھُپاتا ہے

ہے تعاقب میں وہم کا صیّاد
چھوڑتا ہی نہیں ذرا جلّاد

گاہ بدنِ کثیف میں آیا
گاہ جسمِ لطیف میں دھایا

کبھی کارنؔ میں ہے پناہ گزیں
وہم سے بن گیا ہے باختہ دیں

(۸) شُودر

جس نے استھول میں نشست کری
مرکز اُلفت کو بدن میں رکھا
کرلیا جسم اپنا پایۂ تخت
نہ رکھی علم و فضل سے کچھ غرض
غرض یہ تھی چلا جو چال کہیں
جس کو پرواہ نہیں ہے عزّت کی
ڈال کر لنگرِ انانیت
بے درم دیہ کثیف کا چاکر

جسم بیروں ہوں ٹھان جی میں لی
عیش و عشرت حواس میں چکھا
کھانے پینے میں سمجھ رکھا بخت
ایک تن پروری ہی سمجھا فرض
کہ نہ ہو جسم کو زوال کہیں
ہے فقط آرزو تو لذّت کی
سمجھا دریا کثیف جمعیت
اُس کو کہنا ہی چاہیئے شُودر

(۹) ویش

ڈیرا جس نے لطیف میں رکھا
کہہ رہا ہے زبانِ حال سے جو
جو ٹُولی سے قابو آتا ہے
بُھوکا کا ٹیکا ننگارہ لے گا
موقع شادی کا ہو کہ مرنیکا

راجدھانی اُسے بنا بیٹھا
دیہ سُوکھشم ہوں میں جو ہو سو ہو
طعنہ خنجر سا چیر جاتا ہے
ظاہری پیڑ دُکھ سہ لیگا
مر مٹے گا نہیں وہ ڈرنے کا

گھر گرو رکھ کے خرچ کر دے گا — چوٹی قرضے سے بھی جکڑ دے گا

کوئی میرے کو بولی مار نہ دے — جسم سُوکھشم کو گولی مار نہ دے

فکر ہر دم جسے یہ رہتی ہے — دیکھوں کیا خلق مجھ کو کہتی ہے

جان جس کی ہے نِندا اُستت میں — ہمنشینوں سے بڑھ کے عزت میں

پل میں تولہ گھڑی میں ماشا ہے — پینڈولم کی طرح تماشا ہے

رائے لوگوں کی مثل چوگان ہے — گیند سان دوڑتا ہراساں ہے

رات دن پیچ و تاب ہے جس کو — ننگ کا اضطراب ہے جس کو

رہتا اُس ہی اُدھیڑ بُن میں ہے — پاس ناموس ہی کی دُھن میں ہے

جینا اَوروں کی رائے پر جو ہے — خیال وحشت فزائے پر جو ہے

قیاس میں جسکے ٹیڑھا بیڑھا پن — طبع جس کی سدا ہے مُتلوّن

گاہ چڑھتی ہے گاہ گھٹتی ہے — رُخ پہاڑی ندی بدلتی ہے

ایسا وہمی مزاج ہے جس کا — دیہ سُوکھشم سے کاج ہے جسکا

وَیش کہنا بجا ہے ایسے کو — شکل و صُورت میں خواہ کیسے ہو

کشتری

جس کی نِشٹھا ہے دیہ کارن میں — ہے اچل بزم میں ہو یا رن میں

دیہ نیا ہل جائے پر نہ ہلتا ہے ✤ — مستقل عزم قول پکا ہے ✤

خواہ تعریف خواہ مذمت ہو
لاج سے بھئے جیسے نہ اصلا ہو
جو نہیں دیکھتا ہے پبلک کو
رائے پر اوروں کی جو نہ چلتا ہے
لوگ دُنیا کے بن مخالف سب
زہر سُولی صلیب یا پھانسی
جس کو تعریف کی نہیں پرواہ
پیر پُوجیں گے نام پُوجیں گے
اُس کو اوتار کر کے مانیں گے
دھرم چھتری ہے یہ مبارک دھرم
آج اس دھرم کی ضرورت ہے
نام کو برہمن اور چھتری ہو
سب کو درکار ہے یہ کشتری دھرم
اسکو کہتے ہیں لوگ کیریکٹر
اُس تلیٹی پہ رہتا ہے چھتری
جس سے ندیاں تمام آتی ہیں
ہے چمک دمک اور آب و تاب

شادی اور غم پہ جس کو قُدرت ہو
وو دلی سے نہ کام پتلا ہو
مدِ نظر باطن مبارک ہو ؛
قوم کو آپ جو چلاتا ہے
جان لینے کو آئیں اُس کی جب
ہنس کے سہتا ہے جیسے ہو کھانسی
خالی تعریف سے ہی وہ ہوگا ؛
لوگ جب اُس کی بات سمجھیں گے
لوگ جب اُس کی بات جانیں گے
برتر از ضعف و ننگ و عار و شرم
دھرم یہ برتر از کدورت ہے
نام کو ویش ہو کہ شُودر ہو
جان نیشن کی ہے یہ کشتری دھرم
وجہ کارن کو جان اِس کا گھر
رانا پرتاب اور سیوا جی
بنج بیوپار کو سجاتی ہیں
یہ بلندی ہے گویا عالمتاب

اِس زمیں پر یہ ہے بلند تریں
چشمہ بیوہار کا ہے سمبھالا
جوش اور خروش ہے جسمیں
شیرِ نر کو نہ لائے خاطر میں
گرج سے کوہ کو ہلاتا ہے
جوق در جوق فوج دل بادل
دھرم کی آن پر ہے جان قرباں
وُہی کشتری ہے رام کا پیارا
مست پھرتا ہے زور میں بل میں
توپ بندوق کی صدا سے ڈر
کپکپی میں نہیں کبھی آتا
گرچہ گھائل ہو پھر بھی سینہ سپر
تیر و تلوار کی دنادن میں
جان بازی ہی جس کی راحت ہو
رَن ہو گھمسان کا قیامت ہو
زخم زخموں پہ خوب کھاتا ہے
سخت سے سخت کارزار و رزم

سند شاہی کو ہے زیب یہیں
راج ہے اُس کا مرتبہ اعلےٰ
سورما پن کی ہوس ہے جسمیں
تہلکہ ڈالے فوج و لشکر میں
دِل ببر کا بھی دہل جاتا ہے
اِستھیا لاشئے ہے ہیچ اور باطل
گیدی بن کر نہ ہو کبھی حیراں
دیش پر جس نے جان کو وارا
کوند جاتا ہے بجلی بن پل میں
اُنگلی لیتا نہیں وہ کان میں دھر
لالے جاں کے پڑیں نہیں ڈرتا
شوک کرتا نہیں نہ پچھتاتا
ابھیمنو سان جا مرے رَن میں
جنگ و زور آوری ہی فرحت ہو
ہلا کا ہنگامہ اور شامت ہو
پیر پیچھے نہیں ہٹاتا ہے
شانتی دل میں ہو عزم ہو بالجزم

جسم حرکت میں چیت ساکن ہو — دِل تو فارغ ہو۔ کارکن تن ہو
ہر دو جانب سما بھینکر تھا — تُند مور دو بلخ سا لشکر تھا
ہاتھی گھوڑوں کا شور بیرو نکا — شنکھ باجے کا اور تیروں کا
شور تھا آسماں کو چیر رہا — گرد سے مہر بن فقیر رہا
افراتفری میں اور گڑبڑ میں — وُہ دلاور کمال کی جڑ میں
کیا دکھاتا جوانمردی ہے — کیا ہی مضبوط دِل ہے مردی ہے
گیت ٹھنڈک بھرا سُناتا ہے — فلسفہ کیا عجب بتاتا ہے
جسکے نکتوں کو تا ابد کامل — سوچا چاہیں گے غور سے رِل مِل
سخت نعروں میں شانت یہ سُر ہے — سمجھا یہ من چلا بہادر ہے

(۱۱) برہمن

کوہ پر شو نظر جو آتا ہے — برف کو آب کر بہاتا ہے
جس سے کیلاش ہی نہ تاباں ہے — رونقِ بحر اور بیاباں ہے
ویش چھتری کو اور شودر کو — دلے ہے پرکاش کہہ دو مہتر کو
ادم آنند آتما چیتن — تینوں دیہوں میں ہے جو نور افگن
لِشٹھا اس میں ہی جسکی کہ "یہ میں ہوں" — شو ہوں۔ سورج ہوں خاص شنکر ہوں
رُوئے عالم پہ نورافگن ہے — وہ برہمن ہے۔ وہ برہمن ہے

حکمت خود درشنوں سے مکت کرے
تین گُن سے پرے ہے پر سب کو
جس کو فرحت نہ دے کبھی پمپیا
گھڑا کرتا نہیں ہے دست دُعا
مانگتا خواب میں بھی کچھ نہ ہے
وِشنُو کو لات مار دیتا ہے

ق

نُور اور زندگی سے چُست کرے
نُور دیتا ہے خواہ کیا کچھ ہو
برہمن ہے وہی جو ہو ایسا
ہے غنی ذات ہی اُسے دھن ہے
اس کی دِرشٹی سے کانچ کُندن ہے
وہ برہمن ہے۔ وہ برہمن ہے

(۱۴) ذاتِ مُبرّا

تینوں اجسام سے گزر کر پار
حُسن میں اپنے خود درخشاں ہُوں
مِنتیں کیا مزے سے کھاتا ہُوں
میری کِرنوں میں ہو گیا دھوکا
قلعہ دُکھوں کا سر کیا ڈھایا
ہستِ مُطلق سُرورِ مُطلق پر
کُچھ نہ بگڑا تھا کُچھ نہ شُد ھراب

یاں عدُو ہے نہیں نہ کوئی یار
مہر تاباں ہُوں مہرِ تابا ں ہُوں
موت چٹنی مرچ لگاتا ہُوں
آب کا تھا سُراب دُنیا کا
راج افلاک و مہر پر پایا
جھنڈا گاڑا پھریرا لہرایا
کُچھ گیا تھا نہ۔ کچھ نہیں آیا

بھارت ورش

(۱)

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بُلبُلیں ہیں اُس کی وہ بوستاں ہمارا
غُربت میں ہوں اگر ہم رہتا ہے دِل وطن میں
سمجھو وہیں ہمیں بھی ہو دِل جہاں ہمارا
پربت وہ سب سے اُونچا ہمسایہ آسماں کا
وہ سنتری ہمارا وہ پاسباں ہمارا
گودی میں کھیلتی ہیں جسکے ہزاروں ندیاں
گلشن ہے جنکے دم سے رشکِ جہاں ہمارا
اَے آبِ رودِ گنگا! وہ دِن ہے یاد تجھکو
اُترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا
مذہب نہیں سکھاتا آپس میں وَیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا
یونان و مصر و روما سب مٹ گئے جہاں سے
باقی ہے پر ابھی تک نام و نشاں ہمارا

(۱)
دیکھا ہے پیارے میں نے دُنیا کا کارخانہ || سیر و سفر کیا ہے چھانا ہے سب زمانہ
اپنے وطن سے بہتر کوئی نہیں ٹھکانہ || خارِ وطن کو گُل سے خوشتر ہی سب نے مانا
اہلِ وطن سے پُوچھو تم خوبیاں وطن کی || بلبل ہی جانتی ہے آزادیاں چمن کی

---

(۲)
کھاؤ ہوا وطن کی کچھ اور ہی مزا ہے || پانی پیو وطن کا امرت سے بھی سوا ہے
خاکِ وطن نہ کہیئے اکسیر و کیمیا ہے || رُتبہ تری زمیں کا کچھ اے وطن جُدا ہے
جو شے غرض یہاں ہے دُنیا سے ہے نرالی || نامِ وطن نے ہم میں تازہ ہی جان ڈالی

---

(۳)
باغوں میں پھر کے دیکھو کچھ اور ہی ہے نزہت || کھیتوں سے یاں کے آتی ہے آنکھوں میں تراوت
رکھتے ہیں یاں کے دریا کچھ اور ہی لطافت || یہاں کے پہاڑ میں ہے عرشِ بریں کی رفعت
دُنیا میں پھر کے دیکھا ہرگز کہیں نہیں ہے || باغِ بہشت کہیئے یہاں کی زمیں نہیں ہے

---

(۴)
جوہر وطن میں آکر کھُلتا ہے آدمی کا || جب تھا وطن سے باہر مشکل وہ آدمی تھا
یہاں آدمی نہیں وُہ ہے باپ یا کہ بیٹا || کہتا ہے کوئی بھائی کوئی اُسے بھتیجا
یہاں گوش زد میں ہر سُو الفت بھری صدائیں || باہر وطن سے ہرگز جو کان میں نہ آئیں

---

(۵)
ہے ہم کو جان و دل سے اپنا وطن پیارا || اچھا وہ دن ہے اُسکی خدمت میں جو گذارا
کہتے ہیں ہم وطن کو آنکھوں کا اپنی تارا || وہ جان ہے ہماری ایمان ہے ہمارا
ہاں پھر یہ سخن ہے دُنیا میں سب نے مانا || اپنے وطن سے بہتر کوئی نہیں ٹھکانا

فہرست بھجن ردیف وار